وجود باری تعالی پر اخلاقی استدلال کی حیاتیاتی توضیح: رچرڈ ڈاکنز کے افکار کا تنقیدی جائزہ

Biological Interpretation of Moral Argumentation for the Existence of God: A Critical Analysis of Richard Dawkin's Arguments

مقالہ نگار: محمد وقاص
پی ایچ۔ڈی سکالر، فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

معاون مقالہ نگار: یاسر فاروق
لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ میونسپل ڈگری کالج، فیصل آباد
yasirfarooq797@gmail.com

ABSTRACT

What is the identity of human and how his identity is interconnected with the universe? Was he an imperceptibles crown of creation or merely a product of a random happening of evolution? Is there any creator of this universe or its operations is controlled by some blind and deaf forces? Such questions have been important throughout the known history of humanity. A vast group of humans have been congregated on the view that this universe is an artful work of godlily creation whereas the atheists have been existing on the parallel in the human history. Both of the believers and nonbelievers had been putting forward their arguments on the existence and non-existence of God. These arguments can be framed in different references. Among these the existence of God is deduced on the basis of moral arguments, while the arguments from the atheists are erected upon the scientific and philosophical reasoning, such as Darwin's theory of evolution. Richard Dawkins is one of the contemporary scholars renowned as proponent of atheism. He has tried to reject the arguments on the existence of God in his book The God Delusion and also put forward the rebuttal of moral argument based on Darwin's theory of evolution. He has also argued through biological interpretation of 'selfish genes' and 'altruism'. In this article Dawkins' denial to God's existence based on biological interpretation of moral argumentation has been discussed. On the parallel the Islamic point of view has been stated and loopholes in the Dawkins' point of view have been highlighted.

Keywords: Morality, Ethics, Altruism, Atheism, Evolution, Biological Interpretation, Existence of God, Richard Dawkin.

تعارف

انسان کیا ہے اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیسی ہے؟ کیا یہ کسی ماورائی طاقت کی تخلیق ہے یا کسی ارتقاء کے نتیجہ میں خود بخود پیدا ہوا ہے؟ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا اندھی بہری طاقتوں کے رحم و کرم پر چل رہی ہے؟ یہ اور اس طرح کے بہت

سارے سوالات کو انسان کی معلوم تاریخ میں بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ جہاں پر انسانوں کا ایک جم غفیر اس بات کا قائل رہا ہے کہ یہ کائنات ایک خالق کی صناعت کا شاہکار ہے، وہیں پر منکرین خدا بھی ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ اور دونوں وجود کے ثبوت اور عدم پر دلائل دیتے آرہے ہیں۔ انہی دلائل میں سے ایک 'اخلاقی اقدار' سے خدا کے وجود پر استدلال بھی شامل ہے جب کے ملحدین بھی اپنے مقدمہ کے اثبات میں فلسفیانہ اور سائنسی استدلال پیش کرتے ہیں۔ انہی میں سے ایک استدلال انگریز ماہر حیاتیات وارضیات چارلس ڈارون (۱۸۰۹-۱۸۸۲ء) کے نظریہ ارتقاء کو بنیاد بنا کر کیا جاتا ہے۔ انگریز ماہر اخلاقیات و حیاتیات رچرڈ ڈاکنز معاصر دنیا میں الحاد جدید (New Atheism) کے داعی کے طور پر ایک معروف شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب (The God Delusion) میں وجود باری تعالی کے ثبوت پر دیے جانے والے دلائل کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہیں پر 'اخلاقی استدلال' کو بھی ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی روشنی میں باطل قرار دیا ہے۔ اور اس کی حیاتیاتی توضیح (Selfish Genes) اور (Altruism) کے تصورات کے تحت کی ہے۔ اس مقالہ میں ڈاکنز کے 'اخلاقی استدلال' کی حیاتیاتی توضیح اور اس سے انکار خدا پر استدلال کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کا نکتہ نظر بیان کر کے اس کی بے بضاعتی کو واضح کیا گیا ہے۔

نظریہ ارتقاء اور الحاد

ڈارون سے پہلے الحاد کے کائنات کے قدیم اور عدم خدا ہونے سے متعلق دلائل فلسفیانہ تھے یا ان کی بنیاد فزکس کے قوانین پر تھی۔ لیکن ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے بعد اس کو اپنی تائید میں ایک حیاتیاتی توجیہ مل گئی۔ لہذا اس کے بعد کا الحاد اپنے دلائل کی بنیاد ڈاروان کے نظریہ ارتقاء کی روشنی میں ترتیب دیتا ہے۔

نظریہ ارتقاء کی بنیادیں ڈارون سے پہلے بھی موجود تھیں،[1] لیکن ڈارون اور اس کے ہم عصر الفریڈ رسل ویلس (۱۸۲۳-۱۹۱۳ء) نے اسے مربوط انداز میں پیش کیا۔ لیکن ڈارون نے اپنی تحقیق کو مربوط انداز سے اپنی کتاب (On the Origin of Species) میں پیش کیا تھا، اور اس کے ساتھ ہی یہ نظریہ بھی ڈارون کے نام کے ساتھ لازم وملزوم ہو گیا۔ ڈارون کئی ممالک کے سفر اور دہائیوں پر محیط تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ زندگی کی ابتداء ایک سیل سے ہوئی ہے اور اربوں سالوں میں مختلف عوامل کے نتیجہ میں موجودہ شکل تک پہنچی ہے اور ان میں سے ہر جاندار کی مستقل ابتداء نہیں ہوئی بلکہ یہ لاکھوں سالوں کے ارتقاء اور قدرتی انتخاب (نیچرل سلیکشن) کا نتیجہ ہے۔

"Furthermore I am convinced that Natural Selection has been the main but not exclusive means of modification."[2]

اور مختلف قسم کی انواع ارتقاء کے نتیجہ میں پیدا ہوتی گئیں، جن میں سے سب کی مستقل بالذات ابتداء نہیں ہوئی۔ ڈارون کہتا ہے:

"I Believe that animals have descendent from at most only four or five progenitors and plants from an equal or less number"[3]

ڈارون جو خود ایک آرتھوڈوکس عیسائی تھا۔ جس کا اعتراف اس نے اپنی خود نوشت میں کیا ہے کہ کس طرح بائبل کی آیات پڑھنے پر اس کے دوست اس کا مذاق اڑاتے تھے:

"Whilst on board the Beagle *I was quite orthodox, and I remember being heartily laughed at by several of the officers (though themselves orthodox) for quoting the Bible as an unanswerable authority on some point of morality."*

لیکن بعد میں اسی نظریہ ارتقاء کی وجہ سے ڈارون کا خدا پر یقین تذبذب کا شکار ہو گیا اور اپنے آپ کو ملحد کہلوانے کے بجائے اس نے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہوئے لاادریت (Agnosticism) کو اپنالیا۔

"Although I did not think much about the existence of a personal God until a considerably later period of my life, I will here give the vague conclusions to which I have been driven. The old argument of design in nature, as given by Paley, which formerly seemed to me so conclusive, fails, now that the law of natural selection has been discovered... The mystery of the beginning of all things is insoluble to us; and I for one must be content to remain an Agnostic." [4]

اسی لئے انگریز ماہر حیاتیات جولئین ہکسلے (۱۸۵۷-۱۹۷۵ء) نے انگریز ماہر طبیعات اور فلسفی سر آئزک نیوٹن (۱۶۴۲-۱۷۲۷ء)، فرانسیسی ماہر ریاضی دان لاپلاس (۱۷۴۹-۱۸۲۷ء)، ڈارون اور آسٹرین ماہر نفسیات، نیورولوجسٹ سگمنڈ فرائیڈ (۱۸۵۶-۱۹۳۹ء) کی تحقیقات کو بنیاد بناتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں خدا کی ضرورت نہیں رہی:

"Newton showed that God did not control the movement of planets. Laplace in a famous aphorism affirmed that astronomy had no need of the god hypothesis; Darwin and Pasteur between them did the same for biology; and in our own century, the rise of scientific psychology and the extension of historical knowledge have removed gods to a position where they are no longer of value in interpreting human behavior and cannot be supposed to control human history or interfere with human affairs...." [5]

رچرڈ ڈاکنز جو کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں (Public Understanding of Science) کے پروفیسر ہیں، ان کا شمار معاصر ملحدین میں ہوتا ہے، جو کہ نئے الحاد [6] (New Atheism) کے داعی ہیں اور اپنی تصانیف اور ڈاکومنٹریز کے ذریعے الحاد کو پھیلا رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا تخصص ارتقائی حیاتیات (Evolutionary Biology) ہے، اس لئے ان کی زیادہ تر کتابیں حیاتیات کی ارتقائی تشریح اور اس سے ان نتائج فکر کے استنباط پر مشتمل ہیں جس سے الحاد کو تقویت ملتی ہے۔ لیکن ان کی کتاب (The God Delusion) براہ راست وجود باری تعالیٰ کو موضوع بحث بنا کر ان دلائل و براہین کو موضوع تنقید بناتی ہے جو خدا کے اثبات میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ڈاکنز نے زیادہ تر ان دلائل کو ہدف تنقید بنایا ہے جو مسیحی ماہرین دینیات کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز کی 'اخلاقی استدلال' کی حیاتیاتی توضیح

رچرڈ ڈاکنز کے دلائل کا بغور جائزہ لیا جائے تو ہم ان کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تجرباتی اور دوسرے واقعاتی:

تجرباتی دلائل کا بنیادی ماخذ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہی ہے۔ بہت سارے فلاسفرز اور ماہرین حیاتیات اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ ہماری اخلاقی اقدار کی توجیہ نظریہ ارتقاء کی صحیح تفہیم سے سمجھ آسکتی ہے۔ اس پر بہت ساری کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں، مگر ڈاکنز اپنے مخصوص انداز میں ان دلائل کو الحاد کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

"This section is my own version of the argument."[7]

ڈاکنز کا پہلا استدلال ڈارون کا بقائے حیات کے لئے (Natural Selection) قدرتی انتخاب کا اصول ہے۔ ڈاکنز کے نزدیک 'قدرتی انتخاب' کا یہ اصول ہماری اخلاقی اقدار کی بہترین تشریح کے لئے کافی ہے۔ لیکن ڈاکنز اس میں ایک نئی اصطلاح متعارف کرواتے ہیں، جسے وہ (Selfish Genes) کا نام دیتے ہیں۔ اگرچہ ڈارون کے ہاں مطلق (Selfish) کا تصور ملتا ہے، لیکن ڈاکنز اس کو مائیکرو ویلیول پر لے آئے ہیں۔

"The selfish gene is the correct emphasis, for it makes the contrast with the selfish organism, say, or the selfish species."[8]

"اور سیلفش جینز کا سب بڑا مقصد اپنی بقا ہوتا ہے، اور بقا کا یہ سلسلہ وہ اپنی جیسی مزید کا پیاں بنا کر یقینی بناتا ہے"۔

اب سیلفیش جینز کیسے ہماری اخلاقی اقدار کو جنم دیتے ہیں۔ اس کے لئے ڈاکنز (Altruism) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہوتا ہے "ایثار"۔[9] ڈاکنز کے خیال میں جینز جس کی فطرت خود غرضی ہے اس کے ان اہداف کو یقینی بنانے کے لئے آلٹروازم بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اور سیلفش جینز چار طریقوں سے اس کا استعمال کرتا ہے۔

پہلا: (Kin Selection) جینز کی پہلی ترجیح اپنی بقا ہوتی ہے اور یہ جینز کی خاصیت میں شامل ہے، یا اس کے خود غرض (Selfish) ہونے کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے قریبی متعلقین کی بقا کا بھی متمنی ہوتا ہے۔ اس لئے ماں باپ کا اپنی اولاد کے لئے پیار اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا تحفظ جین کا فطری تقاضا ہے، جو کہ قرابت کے اصول پر قائم ہے۔

"A gene that programs individual organisms to favor their genetic kin is statistically likely to benefit copies of itself. Such a gene's frequency can increase in the gene pool to the point where kin altruism becomes the norm."[10]

"اور یہ اسی کا لازمہ ہے کہ یہ فطری محبت ہمیں جانوروں میں بھی نظر آتی ہے، جہاں خاندان کا سربراہ اپنے خاندان کو تحفظ فراہم کرتا ہے"۔

دوسرا: (Reciprocity) کا مطلب یہ ہے کہ : "mutual exchange of commercial or other privileges" یعنی شے کا تبادلہ۔ [11]"You scratch my back and I'll scratch yours" "تم میری کمر پر خارش

کرو، میں تمہاری کمر پر خارش کروں گا۔ یہی وہ اصول ہے جس کا ہابس قائل ہے کہ معاشرہ کی بنیاد (Egoism and Social Contract) پر ہوتی ہے۔ یعنی اچھائی برائی کے تصورات ذاتی اور سماجی اغراض پر مبنی ہوتے ہیں،[12] جن کو سماجی معاہدات کی شکل میں یقینی بنایا جاتا ہے۔ ڈاکنز کے نظریہ کے مطابق یہ بھی جینز کی خود غرضی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ یعنی جینز اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لئے دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں، تاکہ بدلہ میں ان کے ساتھ بھی اچھا تعامل کیا جائے، جو اس کی حیات کا ضامن ہو۔

ڈاکنز صرف انسانوں میں ہی نہیں بلکہ دوسری حیاتیات میں بھی (reciprocal altruism) کا قائل ہے۔ ڈاکنز کا کہنا ہے کہ جیسے ہماری روزمرہ کے لین دین میں ادھار پر بھی کام چلتا ہے اور یہ زیادہ تر لکھی ہوئی شکل میں ہوتا ہے، جس سے فرد کے مفادات کا تحفظ یقینی بنایا جاتا ہے۔ لیکن جانوروں میں پیسوں کا لین دین تو نہیں ہوتا، مگر جاندار بھی اس طرح ادھار کا معاملہ کرتے ہیں اور یہ ان کی یاداشت کا حصہ ہوتا ہے۔ اس کی تائید میں وہ ویمپیر چمگادڑوں کی مثال دیتا ہے کہ کس طرح وہ اپنا قرض ذہن نشین رکھتی ہیں۔ مثلاً ایک وقت میں گروپ کے کسی ممبر کو شکار نہیں ملا تو گروپ کی دوسری ممبرز اپنا شکار شیئر کر لیتی ہیں، پھر دوسرے وقت میں اس کو بھی اپنا شکار شیئر کرنا ہوتا ہے۔ اور جینز کی یہی خود غرضی سماج کے افراد میں مختلف سرگرمیاں پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ جیسے ڈاکنز کہتا ہے:

"Reciprocal altruism works because of asymmetries in needs and in capacities to meet them. That is why it works especially well between different species: the asymmetries are greater."[13]

"ڈارون نے خود بھی اس اصول کی تشریح کی ہے کہ جانور گروپ کی صورت میں رہتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ چیزیں بھی شیئر کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ بھی کرتے ہیں"۔

(Kinship) اور (Reciprocation) دو بنیادی اصول ہیں۔ اس کے علاوہ دو اور اصول **(Reputation)** اور **(Handicap)** ہیں جن کو ڈاکنز آلٹروازم کے لئے بنیاد بناتا ہے۔ **(Reputation)** زیادہ تر انسانوں میں اور **(Handicap)** کا اصول زیادہ تر جانوروں میں کام کرتا ہے۔

تیسرا: (Reputation) انسان کو اپنی زندگی میں بقائے حیات اور خوشحالی کے لئے ایک دوسرے کا تعاون درکار ہوتا ہے۔ ظاہری بات ہے یہ تعاون کچھ لو اور دو کے اصول پر ہی طے ہوتا ہے۔ اگر کوئی آدمی دھوکہ دہی سے کوئی چیز لینے کی کوشش کرتا ہے تو اس میں اس کو چیز بغیر کچھ ادا کیے حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس سے اس کی ساکھ اور شہرت کے خراب ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

"According to a standard evolutionary approach to morality that we may call the 'mutualistic approach', the biological function of moral behaviour is precisely to help individuals gain a good reputation as co-operators"[14]

ڈاکنز کے خیال میں جس طرح ایک اچھا (reciprocal) ہوناضروری ہے اسی طرح اپنی ساکھ اور شہرت کو بچانے کی بھی ضرورت ہے۔اور انسان اپنی شہرت اور ساکھ کو بچانے کے لئے اخلاقی زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور وہ زبان سے بھی اپنی ساکھ کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

چوتھا: (The Handicap Principle) آکسفورڈ ڈکشنری کی تعریف کے مطابق:

"A permanent physical or mental condition that makes it difficult or impossible to use a particular part of your body or mind"

اس اصول کو سب سے پہلے مربوط شکل میں ایک اسرئیلی ماہر حیاتیات زہاوی(۱۹۲۸-۲۰۱۷ء) نے پیش کیا۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جانور اپنی بہتر حیاتیاتی ساخت اور تندرستی و بہادری کو سگنل کے ذریعے ٹرانسمٹ کرکے دوسرے جانور کو یہ پیغام پہنچاتے ہیں کہ وہ ساری مشکلات اور مصائب برداشت کرنے کو تیار ہے جو (ہینڈی کیپ) کی وجہ سے اس پر مسلط کی گئی ہیں۔

"The Handicap Principle suggests that a stotting gazelle is sending a message to its predator – and that this message is effective precisely because it is wasteful"[15]

ہرن اس اچھل کود سے جو یقیناًاس کی طاقت کو ضائع کرتی ہے، یہ پیغام شکاری تک پہنچاتا ہے کہ وہ بچاؤ کی زیادہ قدرت رکھتا ہے، لہذا اگر شکاری کا شکار کا ارادہ ہے تو وہ کسی کمزور پر پنجہ آزمائی کرے۔ اور یہ اچھل کود ایک مہنگا عمل ہے، جس میں جانور اپنی طاقت ضائع کرتا ہے۔اور یہ وہی جانور کر سکتا ہے جس کے اندر زیادہ طاقت ہو۔اس کے نتیجے میں جو سگنل ٹرانسمٹ ہوتے ہیں وہ بھی (honest signal) کہلاتے ہیں اور جانور اس کے ذریعہ سے اپنی ساکھ بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکنز،اگرچہ اس تھیوری کا ناقد تھا، مگر بعد میں جب سکاٹش ماہر حیاتیات ایلن گریفن نے اس کی ریاضیاتی توجیہ پیش کی تو اس کا قائل ہو گیا۔زہاوی نے جب ایک عربی پرندہ ببیلر کا مطالعہ کیا، جو ایک چھوٹے گروپ کی شکل میں زندگی گزارتے ہیں۔ جس میں کمزور طاقتور کے ماتحت ہوتے ہیں، ایک طاقتور اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوسروں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ کھانا بھی فراہم کرتے ہیں۔ اگر کوئی ماتحت طاقتور کو کھانا پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ کھانا رد کر دیا جاتا ہے۔اس سے زہاوی یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ سگنل کے ذریعہ اپنی اتھارٹی منوانا ایک قابل یقین عمل ہے۔[16]

ڈاکنز نے اس حیاتیاتی توضیح سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے اخلاقی رویے بھی ارتقاء ہی کی ایک کڑی ہیں۔ لہذا انسان کو اپنی ابتدائی تاریخ میں جس طرح کے حالات سے سامنا رہا ہے اس سے یقیناًاس میں آلٹروازم کی ان چار جہتوں میں ارتقاء واقع ہوا ہوگا۔لہذا یہ کسی بھی جاندار کے (Altruistic) ہونے کی بہترین توجیہ ہیں، اس لیے ہمیں اب کسی خدا کی ضرورت نہیں۔

ڈاکنز کا خیال ہے کہ اخلاقی اقدار کی ایک یونیورسل گرائمر ہوتی ہے، اور یہ کسی بھی قسم کے حادثے میں ایک جیسا مظاہرہ کرتی ہیں۔ انسان کا مذہبی ہونا اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔اس کے حق میں ڈاکنز نے کچھ تجرباتی شہادتیں بھی فراہم کی ہیں کہ ایک مشکل حالت میں

مذہب کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا رد عمل ایک جیسا ہی تھا۔ ڈاکنز اپنے حق میں کچھ واقعاتی شہادتیں بھی دیتے ہیں کہ امریکہ کی جن ریاستوں میں مذہب کا عمل دخل زیادہ ہے وہاں جرائم کی شرح زیادہ ہے۔ اور وہ شہر زیادہ خطرناک تصور کیے جاتے ہیں، جہاں چرچ کا تسلط زیادہ ہے۔ امریکہ کی جیلوں میں جو ملحدین جرائم کی وجہ سے قید میں ہیں انکا تناسب مذہبی لوگوں سے کم ہے۔ لہذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اچھا ہونے کے لئے خدا کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ڈاکنز کے مذہبی ناقدین ان کو خطوط لکھ کر جس طرح برا بھلا کہتے ہیں اور غلیظ گالیاں دیتے ہیں اس کو بھی ڈاکنز اپنے حق میں پیش کرتے ہیں کہ اچھے اخلاق کے لئے مذہب کی ضرورت نہیں ہے۔[17]

تنقیدی جائزہ

ڈاکنز کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ اچھائی اور برائی کے تصورات کا مذہب سے کوئی لینا دینا نہیں، ایک ملحد کسی بھی مذہبی انسان سے اچھا ہو سکتا ہے۔ اخلاقی تصورات ارتقائی عمل کا نتیجہ ہیں، جو فرد کے اندر جینز کی سطح پر آلٹروازم کے طور پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ڈاکنز کا یہ کہنا کہ جینز کی خود غرضی ہی اخلاقیات کی بہترین توجیہ ہو سکتی ہے، حقیقت کا ایک رخ تو ہو سکتا ہے، لیکن مکمل حقیقت نہیں۔ بلکہ ڈاکنز کی یہ توجیہ کئی ایک مسائل سے دوچار ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ بے شک (Pure Altruism) کے تصور کی حد تک تو ٹھیک ہے، کیونکہ ماہرین نفسیات کا دعوی ہے کہ سو فیصد ایثار ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ مذہب بھی جس کو ایثار کہتا ہے اس میں بھی ذاتی غرض ثواب اور جنت کی صورت میں شامل ہوتی ہے۔ لیکن ڈاکنز کا تصور آلٹروازم پر اخلاقیات کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی بھی فعل کے اخلاقیات کے دائرے میں شامل ہونے کے لئے نیت ضروری ہے، اگر نیت غلط ہو تو اس فعل کو ہم اخلاق کے دائرے میں شامل نہیں کر سکتے۔ کانٹ اس کو (Good Will) کا نام دیتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ اچھی نیت سے اگر کوئی غلط کام ہو جائے تو وہ بھی مستحسن ہی شمار ہو گا۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔ اگر نیت غلط ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی اسلام کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس ڈاکنز کا تصور ایثار ایسے لگتا ہے کہ انسان ایک ایسا وجود ہے جو کوئی بھی اچھائی کا کام کرتا ہے تو صرف اور صرف اپنی ذاتی اغراض کے ہاتھوں مجبور ہو کر صرف اور صرف اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس اسلام کے تصور ایثار میں کسی بھی قسم کی مادی خود غرضی کی ادنی درجہ میں بھی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی مجھے جو منافع ملیں گے ان کا تعلق اس دنیا کے ساتھ یقینی نہیں ہے، البتہ آخرت میں جزاو سزا ضرور ملے گی۔

اسلامی نکتہ نظر سے ایثار کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی حاجت کو قربان کرکے دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا۔ چناچہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.

"اور جو لوگ پہلے سے ٹھکانے بنائے ہوئے اور ایمان استوار کیے ہوئے ہیں وہ دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ہجرت کر کے ان کی طرف آرہے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا جارہا ہے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں محسوس کر رہے ہیں اور وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں اگرچہ انھیں خود احتیاج ہو۔ اور جو خود غرضی سے محفوظ رکھے گئے تو درحقیقت وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔(الحشر:9)

اس آیت میں ایمان والوں کی چند صفات بیان فرمائی گئی ہیں اور ان کی روشنی میں ایثار کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں یہ ان پر بغیر کسی غرض اور لالچ کے خرچ کر رہے ہیں اور اگرچہ انہیں خود اس کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔اور اس کے ساتھ ہی خود غرضی سے بچنے کی ترغیب دی کہ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا

"یہ اِس جذبے سے کھلاتے تھے کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کھلارہے ہیں۔نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکر گزاری کی توقع رکھتے ہیں"۔(الانسان:۹)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کی ترغیب ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

"تم خدا کی وفاداری کا درجہ ہر گز نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے"۔(آل عمران:۹۲)

مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسروں پر خرچ کرنا ایک مستحسن عمل ہی نہیں بلکہ دینی ذمہ داری بھی ہے۔اور انسان کبھی بھی خدا کا قرب اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ محبوب چیزوں کو خدا کے لئے خرچ نہ کرے۔اور یہ خرچ کرنا بھی خود غرضی سے پاک ہونا چاہیے۔اس کے علاوہ قرآن پاک میں بے شمار آیات ہیں جن میں دوسروں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔اس کے مقابلے میں ڈاکنز نے ایثار کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ ایثار کسی طور بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ تو سراسر خود غرضی کے نتیجے میں کیے جانے والے افعال کا نام ہے۔ اور خود غرضی کو معاشرتی عرف ایک برائی سمجھتا ہے۔جب کہ ڈاکنز کے ہاں انسان ایک حیاتیاتی مشین ہے، جو کہ جینز سے مل کر بنی ہے۔جینز کی بقا اس کی خود غرضی پر منحصر ہے، لہذا آلٹر وازم کا رویہ پیدا ہونے کی وجوہات یہ ہیں کہ یہ جینز کے خود غرضانہ اہداف کو یقینی بنانے کا ضامن ہے۔لہٰذا ان دونوں کی روشنی میں یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ انسانیت کی فلاح اور بہتری کس تشریح کے اندر مضمر ہے۔اور یقیناً اس طرح کا کمال علم کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ ہر (Altruism) کو ہم اخلاقیات کے دائرے میں شامل نہیں کر سکتے، اگرچہ یہ سچ ہے کہ بہت سارے اخلاقی رویے ایثار پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایثار کو اخلاقی زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً ایک ملازم اگر اپنے مالک کے خزانے سے

کچھ رقم چرا کر غریبوں میں بانٹ دے تو یہ جذبہ ایثار کی حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن اس فعل کو اخلاقیات کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ ایک سنگین جرم کہلائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کوئی درست فعل صرف ذاتی غرض کی بنیاد پر کرے۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنے سیاسی حریف کی شکایت متعلقہ محکمہ کو لگاتا ہے کہ وہ رشوت لے رہاہے، تو ایسے میں اس کا یہ فعل تو درست ہوگا اور اس کے پکڑے جانے کی صورت میں اس کو ضرور سیاسی فائدہ ملے گا، مگر اس پر ہم آلٹروازم کا اطلاق نہیں کر سکتے۔

تیسری وجہ یہ کہ جس طرح ڈارون نے انسانی کی حیاتیاتی تشریح کی ہے اسی طرح کانٹ نے انسان کی اخلاقی فطرت کو بیان کیا ہے۔ کانٹ اخلاقی اصولوں کی آفاقیت کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ ان کی تشریح وجودی حقائق سے اوپر اٹھ کر کی جانی چاہیے۔ اس لئے کانٹ نے اپنے فلسفہ اخلاق کو عالمی قوانین سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہذا اخلاقیات کی تشریح سوشیالوجی کی روشنی میں ہوتی ہے۔ جس کے لئے زبان، نفسیات اور بشریات کا علم جاننا ضروری ہے۔ جب کہ ڈاکنز کی تشریح کے مطابق اخلاقیات کا مدار صرف جینز کی خود غرضی پر مبنی فطرت پر ہے۔ سٹنٹ کے بقول یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے:

"Nevertheless, it is as foolish to claim that sociobiology has no role whatsoever in the project of a biology of morals."[18]

چوتھی وجہ یہ کہ ماہرین ارتقاء نے ڈارون کے نظریہ کو بنیاد بنا کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسانی رویوں کے اندر بھی ارتقاء ہوتا ہے، اور انسان میں جاری اچھائی اور برائی کے اس ارتقاء کو سائنس کی زبان میں بیان کرتے ہیں، جب کہ ڈاکنز اسے بالکل مائیکرو لیول پر جا کر بیان کرتے ہیں۔ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو یہ حقیقت کا بیان ہوا، نہ کہ اس سے یہ اخذ کر لیا جائے کہ خدا نہیں ہے۔ جس طرح ماہرین ارتقاء اخلاقی اقدار کو انسان کی فطرت کے ساتھ جوڑتے ہیں، حالانکہ مذہب خود اس کو تسلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا

"اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا"۔ (الشمس: ۷-۱۰)

سید مودودیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے:

" نفس انسانی پر اس کی بدی اور اس کی نیکی و پرہیزگاری الہام کر دینے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اندر خالق نے نیکی اور بدی دونوں کے رجحانات و میلانات رکھ دیے ہیں، اور یہ وہ چیز ہے جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کر دیے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی ہے اور کوئی چیز برائی، اچھے اخلاق و اعمال یکساں نہیں ہیں، فجور (بدکرداری) ایک قبیح چیز ہے اور تقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز۔ یہ تصورات انسان کے لئے اجنبی نہیں ہیں بلکہ اس کی فطرت ان سے آشنا ہے اور خالق نے برے اور بھلے کی تمیز پیدائشی طور پر اس کو عطا کی ہے"۔[19]

قرآن پاک کی یہ آیات توثیق کرتی ہیں کہ انسان کی خود شعوری اس کی فطرت میں الہام کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد

ہے: إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

"ہم نے اسے (نیکی اور بدی کی) راہ سمجھا دی۔ چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا"۔(الدھر: ۳)

سورۃ الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

"پس تم اپنا رخ یک سو ہو کر دین حنیفی کی طرف کرو۔ اس دین فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔(الروم: ۳۰)

سورۃ البلد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ

"کیا ہم نے اس (انسان) کو دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور اس کو (نیکی اور بدی کی) دونوں راہیں نہیں سجھا دیں؟"۔(البلد: ۸-۱۰)

سورۃ القیامۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ

"بلکہ انسان خود اپنے اوپر گواہ ہے۔ اگرچہ کتنے ہی بہانے پیش کرے"۔(القیامۃ: ۱۴-۱۵)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اچھائی اور برائی کا شعور دے کر بھیجا گیا ہے۔ انسان لاکھ تاویلیں کر کے اپنی برائی کو جواز بخش سکتا ہے، لیکن وہ اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ دوسرے اس کے ساتھ اسی قسم کی برائی کریں۔ یہ واضح دلیل ہے کہ انسان کو اچھائی اور برائی میں فرق کی پہچان دے کر بھیجا گیا ہے۔[20] مولانا امین اصلاحی کے بقول قرآن پاک کی ان آیات سے پانچ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

"ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں نیکی اور بدی، یعنی خیر اور شر کا واضح شعور دے کر بھیجا ہے۔ دوسری یہ کہ اس نے انسان کو ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے۔ تیسری یہ کہ نیکی اور بدی کا یہ شعور فطرت انسانی ہی کا ایک حصہ ہے۔ چوتھی یہ کہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو بدلنا، خود انسان کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور پانچویں یہ کہ انسان اپنی فطرت میں اور اپنے داخل میں پائے جانے والے حقائق کو خوب جانتا ہے"۔[21]

اللہ پاک انسان کے اندر ایک ایسی قوت بھی رکھی ہے جو انسان کو برائی سے روکتی ہے۔ ہر انسان اس قوت کو محسوس کر سکتا ہے۔ اور اگر انسان اس قوت کے مخالف جا کر کوئی فعل کرتا ہے تو انسان اپنے اندر ایک بے چینی اور اضطراب کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ اور اپنے کیے پر نادم نظر آتا ہے۔ اور یہی قوت انسان کو ضروری اعمال کے کرنے کا حکم دیتی ہے۔ حفظ الرحمان سیوہاروی صاحب کے بقول:

"ایسی آمر و ناہی (حکم کرنے والی اور منع کرنے والی) قوت کا نام وجدان 'ضمیر' یا (consciousness) ہے۔۔۔ عمل سے پہلے

ضروری عمل کی ہدایت کرتی، اور ناواجب عمل سے خوف دلاتی ہے اور عمل کے ساتھ ساتھ رہ کر عمل صالح کے اہتمام، اور عمل بد سے پرہیز پر بہادر بناتی رہتی ہے۔ اور عمل کے بعد اطاعت و فرمانبرداری کی حالت میں راحت و سرور لے کر آتی ہے۔ اور نافرمانی کی صورت میں ذلت و ندامت عطا کرتی ہے"۔[22]

سورۃ القیامۃ میں اللہ پاک نے اس ملامت کرنے والے ضمیر کا تذکرہ کیا ہے۔ چانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ

"قسم کھاتا ہوں روز محشر کی، اور قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی۔ کیا انسان نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ ہاں، ہم جمع کریں گے، اس طرح کہ ہم اس کے پور پور کو ٹھیک کر دیں گے، بلکہ انسان اپنے (ضمیر کے) آگے شرارت کرنا چاہتا ہے، پوچھتا ہے، قیامت کب ہو گی"۔ (القیامۃ: ۱-۶)

اگر ڈاکنز کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ وہ جینز کا رویہ بیان کر کے خالق کی نفی کر رہا ہے۔ حالانکہ سوال پھر وہیں موجود ہے کہ جینز کا یہ رویہ ایسا کیوں ہے؟ سائنسی دریافتوں نے فطرت کے رازوں سے پردے اٹھائے ہیں، ان قوانین کو دریافت کیا ہے جو کائنات اور انسان کے اندر کارفرما ہیں، یہ دریافتیں صرف واقعہ کی تصویر ہیں، وہ واقعہ کی توجیہ نہیں ہیں۔ سائنس یہ نہیں بتاتی کہ فطرت کے قوانین کیسے بن گئے، وہ کیسے اس قدر مفید شکل میں مسلسل طور پر زمین و آسمان میں قائم ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ فطرت کہ جس کو معلوم کر لینے کی وجہ سے انسان یہ دعوی کرنے لگا ہے کہ اس کائنات کی توجیہ دریافت کر لی، وہ محض دھوکہ ہے۔ یہ ایک غیر متعلق بات کو سوال کا جواب بنا کر پیش کرنا ہے۔ یہ درمیانی کڑی کو آخری کڑی یا علت قرار دینا ہے۔ ایک ماہر حیاتیات کے بقول: *"Nature doesn't explain, she herself in need of an explanation"*[23]

خود ڈاکنز سے ایک انٹرویو میں جب یہ سوال پوچھا گیا کہ (self-replicating structure like DNA) کہاں سے آیا۔ تو جواب دیتے ہوئے ڈاکنز اعتراف کرنے پر مجبور ہوا کہ یہ عمل بہت عرصہ پہلے رونما ہوا، ہمیں اس کا ادراک نہیں ہے، اور شائد ہم ان کیمیائی عوامل کا ادراک نہیں کر سکتے، کیونکہ بہت عرصہ پہلے زمین کے حالات بھی مختلف تھے۔

"There does remain the very first step -- I don't think it's necessarily a bigger step than several of the subsequent steps, but it is a step. And it's a step which we don't fully understand -- mainly because it happened such a long time ago, and under conditions when the Earth was very different. And so it's not necessarily possible to simulate again the chemical conditions of the origin of life."[24]

لہذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے، کہ مذہب کے دعوی کو باطل ثابت کرنے کے لئے ڈاکنز اور دوسرے ملحدین جو دلائل دیتے ہیں، وہ ایک ایسی چیز کے بارے میں ہیں جس پر مذہب نے کوئی تفصیلی کلام نہیں کیا، اور نہ ہی موجودہ کوئی ایسی تحقیق ہے جو

مذہب کے دعوی کو باطل کر دے۔ جیسے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں، انسان کی زمین سے مثل نبات تخلیق کو بھی قرآن پاک میں بیان کیا ہے۔ماہرین ارتقاء اگر دلائل کی بنیاد پر یہ دعوی کر رہے ہیں کہ انسان کی ابتدا کیسے ہوئی تو یہ صرف اور صرف ایک حقیقت کی سائنسی توجیہ تو کہلا سکتی ہے، لیکن کسی واقعہ کی حقیقی علت نہیں بن سکتی۔

مزید ڈاکنز کے نظریہ کو ان سوالات کی روشنی میں جانچا جا سکتا ہے۔

کسی بھی فعل کے اخلاقیات کے ذمرے میں شامل ہونے کے لئے درست نیت بہت ضروری ہے، اور بہت سارے افعال جو نیت سے خالی ہوتے ہیں، ان پر اخلاقی یا غیر اخلاقی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ڈاکنز کا نظریہ اس بارے خاموش ہے۔

ہم اعمال کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ایک وہ جو فرائض کے درجہ میں ہیں، دوسرے وہ جن کو کرنے کی اجازت ہے لیکن فرض نہیں ہوتے، اور تیسرے وہ جو ممنوع ہیں۔ڈاکنز کے پاس ایسا کون سا معیار ہے کہ جو طے کرے کہ ان کے درمیان فرق کیسے کرنا ہے۔اگرچہ ڈاکنز اس کو نظریہ ارتقاء کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ قدرتی انتخاب کے نتیجے میں انسان میں یہ شعور پروان چڑھا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں میں مختلف اعمال میں انتہائی سخت اختلاف پائے جاتے ہیں۔ جیسے اسقاط حمل، سزاؤں میں تاوان، جانوروں پر طبّی تجربات، ہم جنس پرستی، منشیات کا استعمال وغیرہ۔ خاص طور پر اسقاط حمل کے بارے میں سیکولر اخلاقیات مکمل طور پر مشکلات میں گری ہوئی ہے۔ جو اس کے جواز میں ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں موجود (Futes) پر انسان کا اطلاق نہیں ہو سکتا، لہذا یہ جائز ہے، اور شخصی آزادی (Liberty) کے اصول کا تقاضا ہے کہ اس کو فرد کا ذاتی معاملہ سمجھا جائے۔ مگر دوسری طرف بہت سارے ملکوں میں اس پر آئے دن نئے نئے قوانین بنائے جاتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیکولر اخلاقیات کے پاس اس کی کوئی قابل اطمینان تشریح موجود نہیں ہے۔

کسی کام کے غلط اور اس پر دی جانی والی سزا یا کسی کام کے اچھا ہونے اور اس پر ملنے والی تعریف کے درمیان کیا تعلق ہے؟ لاپرواہی کیوں غلط ہے، جب کہ لاپرواہی برتنے والے نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو؟ اگر کوئی اچھا کام بری نیت سے کیا جائے تو کیا وہ اخلاقیات کے ذمرے میں شامل ہو گا؟ اگر اخلاقیات کا تعلق جنیٹک سے ہے تو کیا بچوں کو اخلاقیات کی تعلیم دینی چاہیے؟ قانون اور اخلاقیات کے درمیان کیا تعلق ہے؟ کیا ظالمانہ قانون کو ماننا ضروری ہے؟ یقیناً اس طرح کے بہت سارے سوالات ہیں جن کا جواب ڈاکنز اور دوسرے سیکولر ماہرین اخلاقیات مربوط انداز میں دینے سے قاصر ہیں۔

خلاصہ کلام:

الحاد جدید کے بڑے داعی رچرڈ ڈاکنز کا دعوی ہے کہ اخلاقیات کے لئے کسی مذہب کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اخلاقیات سے خدا کے وجود پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ یہ دعوی پیش کردہ دلائل کی روشنی میں سرے سے ہی بے بنیاد ہے۔اس کی یہ دلیل وجود کے مظاہر کی نامکمل تشریح کا بیان ہے، نہ کہ بذات خود اس سے وجود کی کوئی نفی لازم آتی ہو۔یعنی ڈاکنز اسی سطح پر کھڑے ہو کر استدلال کرتے ہیں

جس سطح پر وہ خود ایک مذہبی آدمی سے اختلاف کرتے ہیں کہ وہ کسی دلیل کے بغیر خدا کو مان رہا ہے۔ حالانکہ دونوں کے پاس جو دلائل ہیں وہ براہ راست وجود کو بیان نہیں کرتے، بلکہ وجود کے مظاہر سے دلیل اخذ کرتے ہیں۔ ڈاکنز نے ارتقاء کو بنیاد بنا کر اخلاقیات کی تشریح کے لئے (Altruism) ایثار کے جس تصور کو پیش کیا ہے وہ ایک ناقص تصور ہے، جو اخلاقیات کے پورے ماڈل کی تشریح سے قاصر ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں اسلام کا تصور انتہائی کامل ہے، اور تمام انسانی ضرورتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تصورات کسی خالق کی دین ہیں جو انسانی نفسیات اور اس کی ضرورتوں سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔

حوالہ جات

[1] مثلاً یونانی فلاسفرز میں سے انیگزیمینڈر سے منسوب کچھ اشارات کا تذکرہ ڈبلیو ٹی سٹیس نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

"In the beginning the earth was fluid and in the gradual drying up by evaporation of this fluid, living beings were produced from the heat and moisture. In the first instance these beings were of a low order. The gradually evolved into successively higher and higher organism by means of adaptation to their environment." Stace, W.T, **A Critical History of Greek Philosophy** (London, Macmillan and Co limited, 1920) 27.

[2] Charles Darwin, On the Origin of Species, (NewYork Mineola, Dover Publication, INC, 2006) 4.

[3] On the Origin of Species, 303

[4] Charles Darwin, Religious Belief, URL: https://www.update.uu.se/~fbendz/library/cd_relig.htm (Accessed: April 2, 2020)

[5] Huxley, Julian, Religion Without Revelation (New York, 1958) 58.

[6] نئے الحاد، اور علم بشریات کے ماہرین کی رائے تو یہ ہے کہ اول اول انسان خدا کو نہیں مانتا تھا، بعد میں انسان نے اپنے لئے خدا تخلیق کیا۔ اس لئے یہ کہنا کہ الحاد کتنا پرانا ہے اس پر کوئی حتمی رائے دینا مشکل ہے۔ البتہ ہر دور کا الحاد مختلف رہا ہے۔ (New Atheism) ایک تحریک ہے جو اکیسویں صدی کے چند مشہور ملحدین کی تخلیق ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ: مذہب کو برداشت نہیں کرنا چاہیے، اور جہاں کہیں مذہب سر اٹھائے وہیں اس پر تنقید کرکے اس کی بودے اور نامعقول پن کو عیاں کرنا چاہیے۔ رچرڈ ڈاکن اسی تحریک کے ایک سرگرم رکن ہے، ڈاکنز اور اس تحریک پر (Straw man Fallacy) کے ارتکاب کا الزام بھی ہے کہ مخالفین کا مقدمہ خود ہی غلط انداز میں پیش کرکے اس پر تنقید کرنا۔ اس کا یہ طرز اس مقالہ سے بھی نمایاں ہو جائے گا۔

[7] Dawkin, The God Delusion (London, Bantam Press, 2006) 214.

[8] Dawkins, The God Delusion, 215

[9] ایثار کا مطلب ہے کہ دوسروں کی فلاح و بہبود کو اپنے ذاتی فوائد پر ترجیح دینا۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان بغیر کسی ذاتی فائدہ کے کسی کو کوئی ترجیح دے۔ ماہرین نفسیات اس کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے اس کے برعکس (Psychological Egoism) کا تصور پیش کیا ہے۔ کہ انسان کا ہر فعل اس کی کسی نہ کسی غرض کو پورا کرتا ہے۔ اس کی ایک دلیل افلاطون سے بھی منقول ہے کہ: ہماری (Desire) ہمیں کسی بھی کام کے کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ساری کی

ساری خواہشات کو بھوک کی مثال پر قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ جب بھوک لگتی ہے تو ہم کھانا کھاتے ہیں۔اسی طرح ہر ایک (Desire) کا کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہوتا ہے۔اس لئے یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ (Pure Altruism) کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔

Kraut, Richard, **The Stanford Encyclopedia of Philosophy**, Altruism, (2020), URL: https://plato.stanford.edu/entries/altruism/, (assessed, 25 July 2020).

[10] Dawkins, **The God Delusion**, 216.

[11] Dawkins, **The Selfish Genes** (New York, Oxford Press, 2006) 166.

[12] Fieser, James, Internet Encyclopedia of Philosophy, Ethics, URL: https://iep.utm.edu/ethics/, (assessed, 30 July, 2020)

[13] Dawkins, **The God Delusion**, 216.

[14] Sperber, D., & Baumard, N. **Moral Reputation: An Evolutionary and Cognitive Perspective. Mind & Language** (University of Pennsylvania, 2012) URL: https://repository.upenn.edu/cgi/viewcontent.cgi?article=1005&context=goldstone (assessed: 24 July, 2020)

[15] Laith Al-Shawaf, & David M.G. Lewis, **The Handicap Principle**, T.K. Shackelford, V.A. Weekes-Shackelford (eds.),Encyclopedia of Evolutionary Psychological Science (Springer International Publishing, 2018) 1, Doi: 10.1007/978-3-319-16999-6_2100-1

[16] Dawkins, **The God Delusion**, 219.

[17] Dawkins, **The God Delusion**, 222-233.

[18] Stent, Gunther, S. The Hastings Center Report, Vol. 7, No. 6 (Dec., 1977), Doi: 10.2307/3560881

[19] مودودی، ابواعلی، **تفہیم القرآن**، ج۶، ص ۳۵۲۔

[20] انسان جب اپنی زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو اسے واضح پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خیر وشر میں فرق اسی دنیا میں عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ سیکھ رہا ہوتا ہے۔اس سے قرآن پاک کا یہ دعوی باطل نہیں ہو سکتا کہ انسان کی فطرت میں الہام کر دیا گیا ہے۔کیونکہ انسان کو خدا نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس کا لازمہ ہے کہ انسان یہ ساری چیزیں عمر کے ساتھ ساتھ سیکھتا رہتا ہے، مگر یہ اچھائی وبرائی کی تمیز انسان کے ہارڈ ویئر کے اندر بلٹ ان ہے۔اگر ہم اس کو نہ مانیں تو سوال وہیں کھڑا رہے گا کہ انسان کے اندر یہ شعور، وجدان اور ضمیر جیسی چیزیں کہاں سے پیدا ہو گئیں ہیں؟

[21] اصلاحی، امین احسن، مسئلہ خیر وشر (تسہیل لیکچر از رفیع مفتی، ۲۰۱۳)
http://www.al-mawrid.org/index.php/articles_urdu/view/masla-e-khair-o-shar-part-1

[22] سیوہاروی، حفظ الرحمان، **اخلاق اور فلسفہ اخلاق** (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۷۶) ۸۹

[23] وحید الدین، **مذہب اور جدید چیلنج**، (نئی دہلی، مکتبۃ الرسالہ، ۱۹۹۷) ۲۱

[24] URL: https://www.pbs.org/faithandreason/transcript/dawk-body.html, (assessed 23 July, 2020)